R. No. 2186/57

Regd. No. L 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date
1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
per Copy-12

جلد ۲۶ ۔ شمارہ ۴۴ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ نومبر ۱۹۶۷ء

اداریہ

غالب کی صد سالہ برسی اور اردو دوستوں کے فرائض

غالب کی صد سالہ برسی کی تیاریاں شروع ہو گئی ہیں۔ دہلی کی مرکزی کمیٹی نے اپنا پروگرام بنا لیا ہے اور اردو کے متعدد ادارے غالب کی کوئی نہ کوئی تصنیف یا غالب پر کوئی کتاب تیار کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ غالب کی یاد میں کوئی بڑی عمارت بنانے کی بھی تجویز ہے اور غالب اور ان کے دور کی تصویروں کے البم بھی تیار کیے جا رہے ہیں۔ پاکستان کی کمیٹی کے پروگرام کی ابھی تک صحیح اطلاع نہیں ملی لیکن یہ معلوم ہوا ہے کہ وہاں بھی بڑے پیمانے پر کام کی تیاری ہو رہی ہے۔ امریکہ اور روس میں بھی اس سلسلے میں کمیٹیاں بنی ہیں۔ بہرحال امید تو یہ ہے کہ ساری دنیا میں غالب کی صد سالہ برسی دھوم دھام سے منائی جائے گی اور اردو کے اس شاعر اعظم کی عظمت کا مناسب اعتراف ہوگا۔

اس سلسلے میں ہم یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمیں بڑی اور چھوٹی چیزوں میں فرق کرنا چاہیے۔ بڑی چیز غالب کی تصانیف کے مستند اور اچھے ایڈیشن شائع کرنا اور غالب کی عظمت کو تمام اردو داں لوگوں پر اور دوسری زبانوں کے جاننے والوں پر واضح کرنا ہے۔ اس لیے اردو کے اداروں کو جہاں غالب کی تصانیف شائع کرنی ہیں وہاں اس کی بھی کوشش کرنی ہے کہ ہندوستان کی ہر جدید زبان میں ان کے اردو کلام اور ان کے اردو خطوط کا ترجمہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ غالب کے منتخب کلام کا انگریزی، فرنچ، جرمن، روسی، عربی، فارسی، ہسپانوی، جاپانی اور چینی زبانوں میں بھی ترجمہ ہونا چاہیے۔ وقت کم ہے۔ صد سالہ برسی کو صرف سوا برس رہ گیا ہے۔ مگر اب بھی یہ دونوں کام بڑی حد تک ہو سکتے ہیں۔ ویسے وسائل مہیا ہو جائیں تو عمارتیں بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں، مگر اصل کام غالب کے کلام کی عام اشاعت اور تراجم کے ذریعے سے غالب کی عظمت کو دوسری زبانوں کے جاننے والوں تک پہنچانا ہے۔ امید ہے کہ اردو دوست اس نکتے کو فراموش نہ کریں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی کہنا ہے کہ غالب جس زبان کے شاعر تھے اس زبان کی حفاظت کا فرض اور بھی ہم پر عاید ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ غالب کی صد سالہ برسی تو بڑی دھوم دھام سے ہو جائے مگر جس زبان میں غالب نے ایسے اچھے شعر کہے اور ایسے اچھے خط لکھے اس کی بقا اور ترقی کم سے کم ہندوستان میں مشکوک رہے۔ اس لیے ہمیں نئے جوش اور ولولے کے ساتھ اس زبان کی بقا اور ترقی کی کوشش میں لگ جانا چاہیے۔ ہم نے پہلے بھی کہا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ حکومت سے ان حقوق کا ضرور مطالبہ کرنا چاہیے جو دستور کی رو سے ہمیں ملے ہیں اور جن کا اعتراف مختلف اوقات میں حکومت کی طرف سے اعلانوں اور قومی رہنماؤں کے بیانات میں ہو چکا ہے، مگر اس سے زیادہ ضروری اردو دوستوں کی اپنی کوشش ہے۔ اس کوشش کے لیے نہ کسی جلوس کی ضرورت ہے نہ کانفرنس کی، نہ ہنگامے کی، نہ بھوک ہڑتال کی، نہ کسی سے الجھنے کی۔ اس کے لیے اپنے حلقے میں اردو کی تعلیم کا انتظام کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ پہلے ابتدائی منزل پر اور پھر ثانوی منزل پر اردو کے ذریعے سے اچھی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے جس کے لیے علاوہ حکومت سے سہولتیں حاصل کرنے کے، خود بھی بڑے پیمانے پر اسکول کھولنے اور چلانے ہوں گے اور ان اسکولوں کے لیے اساتذہ اور کتابوں کی تیاری کا بھی کچھ انتظام کرنا ہوگا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے تیاری کرنی ہوگی۔ اس لیے غالب کی صد سالہ برسی کی تیاری کے ساتھ اردو زبان و ادب کی بقا اور ترقی کے لیے کوشش اور تیز ہونی چاہیے۔ ہمیشہ جو لوگ خود کچھ کرتے ہیں انھیں کے لیے دوسرے بھی کچھ کرتے ہیں۔ اردو دوستوں کو موجودہ حالات میں عزم کی مضبوطی کے ساتھ اپنے اپنے حلقے میں سب کو ساتھ لے کر اور عوام کی ہمدردی حاصل کر کے آگے بڑھنا ہے۔ یہ کام مشکل ضرور ہے مگر ہم متوجہ ہو جائیں تو سرانجام پا سکتا ہے۔

شیخ تصدق حسین کا انتقال

لکھنؤ۔ لکھنؤ کے ایک ممتاز ادیب اور مورخ شیخ تصدق حسین صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی کا ایک مختصر علالت کے بعد اپنے مکان مسکو نہ چوپٹیاں میں انتقال ہو گیا۔ تصدق حسین صاحب لکھنؤ کی آخری شیخ تھے جو لکھنؤ کی تاریخ سے واقف تھے اور اس موضوع پر مضمون لکھا کرتے تھے۔

سوویت ادیبوں اور فن کاروں کو نہرو انعامات

ماسکو۔ سوویت یونین کے آٹھ ادیبوں اور فن کاروں کو جواہر لال نہرو انعامات بابت ۱۹۹۶ء عطا کیے گئے ہیں۔ حکومت ہند نے ہندستان اور سوویت یونین کے مابین سفارتی تعلقات کے قیام کی پیسویں سالگرہ کی تقریب میں یہ انعامات مقرر کیے ہیں جو ہند سوویت دوستی کو فروغ دینے والی ادب و آرٹ کی تخلیقات پر ہر سال دیے جائیں گے۔

اس سال نکولائی تخونوف، مرزا ترسون زادے (تاجکستان) اور ازبک شاعرہ زلفیا کو ہندستان اور اس کی جد و جہد آزادی سے متعلق ان کی نظموں پر نہرو انعامات دیے گئے۔

انعام یافتگان میں پروفیسر الوگینی چیلی شیف بھی شامل ہیں جن کی ہندستانی تہذیب سے متعلق تقریباً ایک سو تخلیقات ہیں جو سوویت یونین اور ہندستان میں شائع ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ مصور سیمن تیچ نیکولوف جنھوں نے ہندستان سے متعلق کئی تصویریں بنائی ہیں۔ اخبار نویس اونیک میونخ اور لیو میلاش پسینکو اور آرٹ کے نقاد سیمن تیومیائنت شامل ہیں۔

قاضی نذر الاسلام اکاڈمی

قاضی نذر الاسلام کا نام اور کلام زندہ اور تابندہ رکھنے کے لیے ایک ادارہ نذرل اکاڈمی کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ ادارے کے عہدیداروں میں جسٹس عبد الودود۔ ابو الکلام شمس الدین، برکت اللہ، صابر احمد چودھری اے کے ایم نور الاسلام اور تعلیم حسین کے ناموں کا اعلان ہوا۔

(قومی زبان)

جرم و سزا عہد مغلیہ میں

ڈھائی سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی یہ انگریزی زبان میں لکھی ہوئی کتاب مغل تاریخ کے ان گوشوں کی نقاب کشائی کرتی ہے جو اب تک مخفی تھے۔ ڈاکٹر ست پرکاش سنگر نے انگریزی اور فارسی تاریخ، نیز ہمعصر غیر مطبوعہ دستاویزات کے مطالعہ کے بعد وہ تمام واقعات تاریخی سلیقے سے جمع کر دیے ہیں جن سے اس زمانے کے مختلف جرائم اور ان پر عائد کی ہوئی سزاؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ کتاب ہرٹنگ پبلشنگ کمپنی موری دروازہ دلی سے مل سکتی ہے۔

انگریزی اخبار میں اردو کالم

لندن سے شائع ہونے والے اخبار "برمنگھم ایونگ میل" کے مدیر جناب فرینک اوونیز کو برطانوی وزیر جناب ڈینس ہاویل نے ایک نقرئی کپ اس لیے انعام دیا ہے کہ وہ برطانوی عوام اور باہر سے آئے ہوئے لوگوں کے درمیان یکجہتی اور ہم آہنگی کو فروغ دے رہے ہیں۔ جناب اوونیز یہ خدمات اس اردو کالم کے ذریعے انجام دے رہے ہیں، جو وہ ہر ہفتے اپنے انگریزی اخبار میں شائع کرتے ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی انگریزی اخبار نے اردو کو باقاعدہ اپنے کالموں میں جگہ دی ہے۔

کلیات امیر خسروؔ کی اشاعت

روس کے مشہور مستشرق جناب غفور یوف نے بتایا ہے کہ روس فارسی کے مشہور شاعر امیر خسروؔ کی کلیات شائع کر رہا ہے۔ انھوں نے کہا روس میں امیر خسروؔ کی یہ کلیات ان کی برسی کے موقع پر شائع ہو جائے گی۔

نیویارک سے اردو ماہنامہ

نیویارک سے عنقریب اردو کا ایک ماہنامہ "منزل" جاری ہو رہا ہے جو سائیکلو اسٹائل ہو کر آفسٹ پر شائع ہوگا۔ اس میں امریکہ اور کینیڈا میں رہنے والے تمام اردو ادیب اور شاعر شرکت کر رہے ہیں۔ جن میں ن۔م۔ راشد، عزیز احمد، ڈاکٹر داؤد رہبر، حسن نسیم، ڈاکٹر دشتی، عبد الرحمن بازگر، سید حبیب الحق ندوی، ڈاکٹر سلیم قریشی اور انیس خورشید کے نام قابل ذکر ہیں۔ ادارے میں اجوا فیز کشتی اور منور قریشی کے نام شامل ہیں۔

(قومی زبان)

چندربھان برہمن، احوال و آثار

ڈاکٹر محمد عبد الحمید فاروقی (صدر شعبۂ اردو، فارسی و اسلامک کلچر، گجرات کالج (احمد آباد) نے برہمن کی حیات، شاعری اور تصانیف پر مختلف مصادر و ماخذ کے ذریعے ایک تحقیقاتی مقالہ بزبان انگریزی سپرد قلم کیا جو اب گجرات یونیورسٹی احمد آباد اور اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی کی مالی اعانت سے شائع ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر موصوف نے برہمن کے فارسی دیوان کو بھی مختلف نادر و نایاب مخطوطات کی مدد سے ایڈٹ کر کے خوبصورت ٹائپ میں چھپوا کر مقالے کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔

کتاب کی قیمت چھ روپے پچاس پیسے ہے اور قادری بک ایجنسی (احمد آباد)، یا مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی یا شاخ بمبئی سے مل سکتی ہے۔

سید جلال الدین قادری
آنریری جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ریاست گجرات

کوکب قدر سجاد علی مرزا

بیگمات اودھ کے خطوط کا تاریخی پس منظر

نقوش (لاہور) ستمبر ۱۹۶۷ء کے خاص نمبر میں جناب نادم سیتاپوری کا ایک مضمون مندرجہ بالا عنوان کے تحت شایع ہوا ہے جس میں موصوف نے اس شکایت کے ساتھ کہ،

"اس موضوع پر لکھنے والوں نے اکثر "کاتب" "مکتوب الیہ" کا فرق نظر انداز کر کے موضوع کی اصل شکل و شباہت کو اس طرح مسخ کیا ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ جن خطوط کے مجموعوں کو زیر بحث لایا جا رہا ہے وہ بیگمات کے خطوط ہیں یا خود جان عالم کے اشتیاق نامے"

شکل و شباہت مسخ کرنے والوں میں پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کا نام لیا ہے اور مثال میں خطوں کے ایک مجموعے "انشائے راحت روح" کو پیش کیا ہے[1] جس کے خط آثم لکھنوی نے لکھے تھے۔ نادم صاحب کی پیش کی ہوئی مثال ان کے بیان پر صادق نہیں آتی کیونکہ ذکر بادشاہ اور ان کی بیگمات کے خطوں کا ہے اور آثم لکھنوی کی کتاب سے واقف انسان نہ اسے بادشاہ کے خطوں کا مجموعہ کہے گا اور نہ بیگمات کے خطوں کا۔ خواجہ صاحب کو سے کم انشائے راحت روح کے مطالعے میں اس سے زیادہ تصور وار نہیں کہ انھوں نے خطوط نویسی کی ایک ایسی کتاب کو جس سے وہ بذات خود واقف نہیں تھے اور نہ ہی جس سے کوئی اقتباس انھوں نے پیش کیا کسی اور کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی فہرست میں بادشاہ اور ان کی بیگمات کا مجموعہ منسوب کر دیا۔ لیکن اگر کسی دوسرے شخص کے بیان پر اعتماد کر لینا ہی مسخ کرنے کے مترادف کہا جا سکتا ہے تو نادم صاحب بھی کچھ کم قصوروار نہیں کیونکہ خود انھوں نے خواجہ صاحب کے نام سے مخزن اسرار سلطانی معروف بہ رقعات بیگمات (قلمی) مملوکہ کتب خانہ آصفیہ کو ایک نیا مجموعہ قرار دیا ہے جب کہ "رقعات بیگم" کے نام سے وہ اس مجموعے کو الگ شمار کر چکے تھے۔ مخزن اسرار سلطانی اسی رقعات بیگمات ہی کا تاریخی نام ہے۔ تعجب ہے کہ نادم صاحب نے رقعات بیگمات سے اپنی ذاتی واقفیت کا اظہار کرتے ہوئے نہ اس مجموعے کا نام صحیح لکھا، نہ اس کے تاریخی نام سے جو اس کے سرورق پر چھپا ہوا ہے وہ اسے شناخت کر سکے، اور نہ ہی انھوں نے کتب خانہ آصفیہ کی مطبوعہ فہرست سے استفادے کی فکر کی، اور اپنی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے ایک قطعی غیر ذمہ دارانہ بیان دینے پر آمادہ ہو گئے۔

"شکل و شباہت مسخ کرنے اور شکل و شباہت مسخ ہو جانے" میں کیا معنوی فرق ہے اور اس سلسلے میں خواجہ صاحب کس حد تک ذمہ دار کہے جا سکتے ہیں، اس کے لیے نادم صاحب کے اس مضمون سے ایک اقتباس پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ نادم صاحب کے علم میں،

"بیگمات اودھ کے خطوط پر فنی بحث کرنے والوں نے جب بھی ان مکاتیب کو فن انشا پردازی کی کسوٹی پر پرکھا کبھی اس حقیقت کو ہاتھ لگانے کی کوشش نہیں کی کیا ایسے تمام خطوط خود ان بیگمات کے لکھے ہوئے ہیں؟ یا ان کے لکھنے والے ان کی ڈیوڑھیوں کے وہ فنکار تھے جنھیں منشی، محصدی یا منشی کہا جاتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ ایسے خطوط کے متعلق کوئی مستند اور ٹھوس جائزہ ابھی تک نہیں کیا جا سکا اور نہ اس بات کا پتہ لگایا جا سکا کہ جن بیگمات کے نام سے ان خطوط نے شہرت پائی ہے ان کی علمی اور ادبی صلاحیتیں اس بار کی متحمل بھی ہو سکتی تھیں یا نہیں"

(نقوش، ایضاً ص ۱۰۳)

"بیگمات اودھ کے خطوط پر فنی بحث کرنے والوں میں مولوی عبد الحلیم شرر کے نام کو اولیت کا درجہ حاصل ہے کیونکہ میرے ناقص علم میں وہی پہلا صاحب قلم تھا جس نے خطوں کی اہمیت واضح کرنے کے موقعے پر تعریف کے ساتھ دبی زبان سے یہ بھی کہہ دیا،

"اس میں (خطوں کا جو ذخیرہ شرر کے علم میں تھا اس میں) جتنے خطوط تھے بیگمات انشا پردازوں کے لکھے ہوئے تھے" [1]

اور جب صاف صاف لکھنے کا وقت آیا تو صاف صاف لکھنے سے بھی دریغ نہیں کیا،

"اس ڈیوڑھی پر خاص خاص شعرا حاضر رہتے اس لیے کہ محل سرا والی کو فن شعر سے دلچسپی تھی اور اس ڈیوڑھی پر روز رنگین عبارت لکھنے والے جوان مزاج ادیبوں کی تلاش رہتی تھی اس لیے کہ دوسرے تیسرے یہاں سے ایک نئے رنگ کا تو نامہ جا کے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوتا تھا" [2]

کیا نادم صاحب بیگمات اودھ کے خطوط سے اپنی ذاتی واقفیت کا

---

[1] نادم صاحب نے خواجہ صاحب کے مضمون "واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے رقعات" کا ذکر کرتے ہوئے یہ نہیں لکھا کہ یہ مضمون چھپا کہاں ہے میری نظر سے یہ مضمون کلاسیکی ادب میں گزرا اور اس کے پیش نظر میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں۔

[2] نقوش ستمبر ۱۹۶۷ء (صفحہ ۱۰۱) ممکن ہے کاتب نے غلطی سے رقعات بیگمات کو رقعات بیگم لکھ دیا ہو۔

---

[1] رسالہ دلگداز شمارہ جون ۱۹۰۳ء صفحہ
[2] گذشتہ لکھنؤ صفحہ، مطبوعہ نسیم بک ڈپو، لکھنؤ

اظہار کرنے کے باوجود اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اس کتاب کے صفحہ ۳۰۲ پر خطوں کی مقبولیت اور ماہیت کی سند میں شرر کا بیان نقل کیا گیا ہے اور لفظ "بیگمات" واوین میں درج ہے۔ بجائے انشاپردازبیگمات کے بیگمات انشاپرداز لکھنا کیا کسی سہو قلم کا نتیجہ ہے؟ یا لوگ اس سے وہ معنی مراد لینا نہیں چاہتے جو اس کے قدرتی معنی ہیں۔ خطوط کے متعلق کسی مستند اور مخصوص جانکار سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جب شرر جیسے دو چار افراد کا بیان اتنی آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ رہا جائزہ تو وہ موجود ہے۔ مستند اور مخصوص ہونے کا فیصلہ تو صاحب نظر ہی کر سکتے ہیں لیکن اسی زمانے میں جب نادم صاحب نے "انشائے واجد" درج کی بنیاد پر اپنا مضمون قلم بند کیا ہوگا، اسی "ہماری زبان" نے شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے خبرنامے رفتار سے ایک خبر نقل کی تھی جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

"شعبۂ اردو کے ریسرچ ایسوسی ایشن کا دوسرا جلسہ گذشتہ ماہ میں اردو سیمینار میں زیر صدارت پروفیسر آل احمد سرور منعقد ہوا۔ جناب کوکب قدر سجاد علی مرزا نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "واجد علی شاہ کی ادبی اور ثقافتی خدمات" کا ایک باب بعنوان "واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے خطوط" پڑھا۔

مقالہ نگار نے واجد علی شاہ کے مرتب کئے ہوئے خطوط کے مجموعوں کا حوالہ دیتے ہوئے مختلف دلائل سے واضح کیا کہ ان مجموعوں میں وہ تمام خطوط شامل نہیں ہیں جو بیگمات نے واجد علی شاہ یا واجد علی شاہ نے بیگمات کو بھیجے تھے۔ ان کے اندازے کے مطابق دو ڈھائی ہزار خطوں میں سے صرف دو ڈھائی سو خط ان مجموعوں میں شامل ہو سکے ہیں اور یہ خط تاریخی، ادبی، لسانی اور سوانحی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ واجد علی شاہ کے خطوں کی امتیازی خصوصیت ان کی سادگی، صفائی اور مکالماتی انداز تحریر ہے جس پر اکثر صاحبان نظر نے کم توجہ دی ہے۔ بیگمات کے خطوں کو تمام مبصرین نے بلا استثنیٰ بیگماتی زبان کا نمونہ قرار دیا ہے لیکن ان تمام خطوں میں جو اب تک دستیاب ہوئے ہیں ایک خط بھی ایسا نہیں ملتا جسے یقین کے ساتھ کسی بیگم سے منسوب کیا جا سکے۔ بیگمات کا مجموعی حیثیت سے ناخواندہ ہونا خود ان کے خطوں سے ثابت ہے اور واجد علی شاہ کے مرتب کئے ہوئے مجموعے اگر موجود نہ ہوتے تو ایک غلط خیال کی تردید کا کوئی عمدہ ذریعہ موجود نہ ہوتا کیونکہ جو مجموعے اب تک شائع ہوئے ہیں ان میں یہ حقیقت مسخ کر دی گئی ہے۔"[1]

نادم صاحب نے مندرجۂ بالا حقائق کا علم حاصل کئے بغیر اتنا وسیع بیان دیا تو سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ تعجب ہے۔ ہم ان کے بیان کو سہواً حقیقت کا مسخ ہونا کہیں گے۔ اور اگر ان کا بیان تجاہل عارفانہ کی حیثیت رکھتا ہے تو اس سے زیادہ تعجب کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ اسے حقیقت کا مسخ کرنا کہا جائے گا۔ بیگمات اودھ کے خطوط کے سلسلے میں حقیقت کو مسخ کرنے والے کچھ اور لوگ تھے۔ خواجہ صاحب نے ان کو شہرت یافتہ سمجھتے ہوئے ان پر اعتبار کیا اور صرف اسی لیے حقیقت تھوڑی بہت ان کے قلم سے بھی مسخ ہوئی لیکن سوال یہ کہ کیا نادم صاحب جو شکل و شباہت مسخ کرنے یا ہو جانے کا علم حاصل کر چکے ہیں اس علم اور نقوش جیسے رسالے میں آٹھ صفحے کے مضمون کے باوصف تحقیق کے کام کو ایک لفظ بھی آگے بڑھا سکے ہیں اور خواجہ صاحب کو شامل میں پیش کرتے ہوئے کیا وہ واقعی ان لوگوں کو شناخت کر سکے ہیں جنھوں نے حقیقت کو عمداً مسخ کیا۔ اور کیا یہ ضروری نہیں کہ نادم صاحب کے تحقیق نامے سے جو مزید غلط فہمیاں پھیلنے کا امکان پیدا ہو گیا ہے اس کے انسداد کے لیے کوئی کوشش کی جائے۔ نادم صاحب نے شاید ہماری زبان کا وہ شمارہ نہیں دیکھا لیکن میں بعد ادب عرض کروں گا کہ اگر موصوف یہ مضمون ملاحظہ فرمائیں تو میری باتوں کو گستاخی اور میرے بیانات کو عیب جوئی اور نکتہ چینی پر محمول نہ کریں۔ تحقیق کے کام میں اس طرح کی بدمزگی کا سامان خود تحقیق مہیا کرتی ہے اور جیسا کہ وہ واقف ہیں اصحقیقت کے متلاشی اگر دوسروں کی باتوں کا برا ماننے لگیں تو انھیں اپنا فرض ناگوار اور اس کا ادا کرنا دشوار ہو جائے گا۔ اور جس حقیقت کے مسخ ہونے کی ان کو شکایت ہے مسخ ہوتے ہوتے افسانہ بن جائے گی۔

نادم صاحب کے بیانات اگر کسی تحقیق پر مبنی ہوتے تو ان بیانات میں وہ خامیاں نہ ہونا چاہئے تھیں جو نظر آتی ہیں۔ ان کے بیانات میں بیشتر حصہ قیاس آرائیوں کا ہے۔ اختصار کے پیش نظر صرف انھیں چند نکات پر بحث کی جاتی ہے جو اہمیت رکھتے ہیں، کیونکہ مضمون نویسی کی خاطر کچھ کہہ دینا آسان ہے لیکن اس کی تردید میں نہ صرف تحقیق اور توجہ کی ضرورت ہے بلکہ جراید کا قیمتی کاغذ اور قارئین کا قیمتی وقت بھی صرف ہوتا ہے۔ اگر خواجہ صاحب کی ذرا سی لغزش اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے بیان نے آٹھ صفحے سیاہ کرنے جائیں تو نادم صاحب فرمائیں اتنی ساری اہم باتوں کا مسخ ہونا کس عنوان سے یاد کیا جائے۔

(۱) نادم صاحب کے مضمون کی سرخی کا پہلا جزو "بیگمات اودھ کے خطوط" ہے اور انھوں نے اس جزو کی توضیح ان الفاظ میں کی ہے:

"یہ صحیح ہے کہ بیگمات اودھ کے خطوط کی اصطلاح کا اطلاق صرف آخری تاجدار اودھ کی بیگمات پر ہوتا ہے، اور اس سلسلۂ مراسلت کا زمانہ بیس پچیس سال (فروری ۱۸۵۶ء تا ستمبر ۱۸۸۷ء) سے زیادہ نہیں ہے۔ اس سے قبل نوابین یا سلاطین اودھ کے دور میں اگر کوئی ایسا سلسلۂ مراسلت قائم بھی ہوا ہوگا تو اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔" (نقوش، ایضاً، صـ۱۰۲)

(باقی آئندہ)

---

[1] ہماری زبان شمارہ مورخہ ۸ر مارچ ۱۹۷۶ء صـ۱۱

پھر وہی زندگی ہماری ہے

اقبال ردولوی

یہ یقیں تھا کہ تجھے بھول گیا ہوں جیسے
اب نہ آئے گی تری یاد کی آواز کبھی
میں نے جانا تھا بھرے دل کے وہ کہنہ ناسور
جن کے رسنے سے دلِ زار تڑپ اٹھتا تھا
میں یہ سمجھا تھا اب ختم ہوا عہدِ جنوں
میں یہ سمجھا تھا کہ اب ختم ہوا سوزِ دروں
میں نے جانا تھا کہ اے یار حریمِ دل میں
اب کبھی جل نہ سکیں گے تری یادوں کے چراغ
اب نہ چمکے گا ستارا سرِ مژگاں کوئی
شدتِ درد سے اس درجہ نہ گھبراؤں گا
ترکِ الفت کا فسوں ٹوٹ گیا اب کیا ہو؟
آبلہ صبر کا پھر پھوٹ گیا اب کیا ہو؟
یک بیک چھائی گھٹا، چلنے لگی تیز ہوا
پھر تری یاد کا دل میں ہوا طوفان بپا
افقِ ذہن پہ چمکے ترے پیکر کے نقوش
جن کی رعنائی سے وابستہ ہیں تیری یادیں
غم کے نشتر میں ڈھلی جاتی ہیں تیری یادیں
یاد اس طرح سے اے دوست تری آئی کہ
شدتِ کرب سے اب ضبط کا یارا نہ رہا
پھر وہی آج قیامت کی گھڑی آئی ہے
پھر وہی میں ہوں، تیری یاد ہے تنہائی ہے

تبدیلی

رحمٰن جامی

ساگر کی موجوں سے دل کی ہر دھڑکن تک
پیار کے نغمے گونج رہے تھے
دنیا کی ہر شے نظروں میں کتنی حسیں تھی
یا میرا یہ حسنِ نظر تھا
یا پھر — ساتھ تمہارا تھا جو، میں کچھ ایسا جان رہا تھا
دنیا کو پہچان رہا تھا
اب تم میرے ساتھ نہیں ہو
چیز ہر اک دھندلی دھندلی سی ہے
یوں لگتا ہے
میرا تصور — حسنِ نظر
وہ جھوٹ تھا سب کچھ
سب دھوکا تھا

غزلیں

دوراں آفریدی

بے سکوں بے قرار کرتی ہے — الفت اک حالِ زار کرتی ہے
اے مری جان آ بھی جا کہ ترا — زندگی انتظار کرتی ہے
جسم کو جسم جانتا ہے کہیں — روح کو روح پیار کرتی ہے
کون ہے کاسنی خیالوں میں — فکر سولہ سنگھار کرتی ہے
اک تری یاد ہے کہ اکثر دوست — دل کو بے اختیار کرتی ہے
اس نے چھیڑا ہے اس طرح نغمہ — جیسے کوئل پکار کرتی ہے
ہم ہیں جاگے ہوئے کہ دوراں یہاں
رات تارے شمار کرتی ہے

ندرت کانپوری

کیوں کر قدم اٹھائے اک بے آسرا چلے — رہبر کوئی حیات کی منزل میں کیا چلے
حیرت ہوئی یہ راہ محبت میں دیکھ کر — میرے ہی نقشِ پا پہ مرے رہنما چلے
معلوم یہ ہوا کہ تغافل سرشت ہے — ممکن نہیں کہ دوست سے بگڑی وفا چلے
قدرت جسے سنوار کے آگے بڑھائے خود — دشمن کوئی ہزار ہو دشمن کی کیا چلے
صحرا نوردیوں کا زمانہ پھر آ گیا — فصلِ بہار آئی جنوں آشنا چلے
دعویٰ تو یہ نہیں ہے کہ ہم سرفروش ہیں — لیکن یہ آرزو ہے کہ تیغِ ادا چلے
دنیا یہی کہے گی خداساز بات ہے — کشتی بھنور میں آ کے اگر ناخدا چلے
شاداب حسرتیں ہوں تو دل باغ باغ ہو — چٹکے کلیں بہار کی ایسی ہوا چلے
اک دوست کی تلاش میں یہ بھی ہے اضطراب — منزل سے آشنا ہو مگر پوچھتا چلے
منزل کی آرزو ہے مگر حوصلہ ہے پست
ندرت ہیں منتظر کہ کوئی قافلہ چلے

افسر امروہوی

بارہا ہم پہ بھی تیغِ فصلِ بہاراں کا مزاج — آج برہم ہے ہر اک اہلِ گلستاں کا مزاج
ہم بھی جمعیتِ خاطر کے طلبگار نہیں — تو بھی تبدیل نہ کر زلفِ پریشاں کا مزاج
اہتمام رسن و دار ہوا ہے خود ہی — جب کبھی بدلا ہے کسی بے سروساماں کا مزاج
وقت آنے پہ ہر اک کام ہوا کرتا ہے — ہم بھی پوچھیں گے کبھی گردشِ دوراں کا مزاج
تجربہ اپنا غلط ہو نہیں سکتا یارو — آئینہ دیکھ کے دیکھا ہے مری جاں کا مزاج
دل کے ناسور بڑے شوق سے پالے پھر بھی — ہم سے ملتا ہی نہیں حلقۂ یاراں کا مزاج
بمبئی شہرِ نگاراں ہے مگر اے افسر
ہم کو بھاتا نہیں اس شہرِ نگاراں کا مزاج

بسمل دہلوی

جنت خاص بن گئی خود میری چشم منفعل — دامنِ وہ اضطراب بھی رشکِ رواں دل گیا
فیضِ نسیمِ صبح سے پھول ہنسے کلی کھلی — صحنِ چمن میں ہر طرف اب وہ طلسم کھل گیا
خود کو خدا کہہ دیا اس کو بھی دیکھنا تھا — جب کے خبر طلب یہ عشق جاں گھل گیا
دور تجوید آ گیا بزم سکون حسن میں
بسمل زار چل دیا جب شور و غل گیا

شریف الحسن ڈاہر پوری

رسالہ فتنہ عطر فتنہ

ریاض خیرآبادی کی شہرت کا ذریعہ تو شاعری ہوئی لیکن نثر کے بھی بہترین انشا پرداز تھے۔ ریاض الاخبار کے علاوہ انھوں نے چھوٹی تختی پر فتنہ عطر فتنہ نکالا تھا۔ یہ ہر بدھ کے دن شایع ہوتا تھا اس کی قیمت سالانہ بغیر محصول ایک روپیہ آٹھ آنے اور مع محصول دو روپیہ چار آنے تھی۔ یہ ریاض الاخبار پریس گورکھپور میں چھپتا تھا اور دونوں سے شایع ہوتا تھا۔ اس کے پرنٹر و پبلشر حکیم برہم تھے۔ اس کے ٹائٹل کور پر کبھی مزاحیہ قسم کا کارٹون ہوتا کبھی کارٹون کے ساتھ کوئی مصرعہ یا شعر ہوتا کبھی شعر بھی نہیں ہوتا کبھی بالکل سادہ ہوتا اور پیشانی پر یہ شعر ہوتا ہے

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل ہی سے خو دبھی
پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

رسالہ کی ضخامت کل سولہ صفحات ہے۔ نظم و نثر کے علاوہ۔ خبریں۔ تار۔ وکل کے عنوان سے بھی کالم ملتے ہیں مگر مستقل طور سے ہر شمارے میں نہیں ہیں البتہ ایک کارٹون ہر شمارہ میں ملتا ہے۔ میرے پیش نظر ۶ شمارے ہیں ان کا تعارف پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ مطبوعہ ۸ر جولائی ۱۹۰۳ء روز چہار شنبہ نمبر ۱ جلد ۱۸

مضامین: مس گلبرٹ کا بیان۔ شہزادی سکسنی۔ یورپین داستانوں کی زبان۔ اس کے علاوہ خبریں۔ تار۔ اور وکل کے کالم۔

۲۔ مطبوعہ ۲۳ر ستمبر ۱۹۰۳ء روز چہار شنبہ ۱۲ جلد ۱۸

مضامین۔ اردوئے معلّٰے۔ نیا شد۔ انڈین لارپورٹ۔ لعنت سے لعنت۔ بہت بری ہے۔ آپ سے بھی اور آپ سے بھی نظم کے حصہ میں ایک مزاحیہ نظم کوا ہنس کی چال" ج۔ گ۔ آزاد کی ہے۔

اردوئے معلّٰے کے عنوان سے مولانا حسرت موہانی کے رسالے کے بارے میں لکھا ہے "مسٹر سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی بی۔ اے نے زبان اردو کی لائبریری میں ایک عمدہ اضافہ فرمایا ہے۔ اردوئے معلّٰے کے اب تک تین نمبر نکلے ہیں ان کی ظاہری آرائش سے قطع نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسالہ زبان اردو کے ضروریات کو پورا کرے گا جناب حسرت فن شعر سے واقفیت رکھتے ہیں اور مثل نئے روشن خیال اصحاب کے ایشیائی شاعری کو برا کہنے والے نہیں ہیں دونوں رنگ کو پسند کرتے ہیں اور عمدہ قوت فیصلہ ان میں موجود ہے اس لیے ہم کو امید ہے کہ بہت جلد یہ رسالہ ترقی کرے گا۔ پنجاب کے اخبارات نے اردوئے معلّٰے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور تنگ خیالی سے کام لیا ہے یہ ان کی نافہمی ہے۔ ملک میں جس قدر رسالے نکلیں بہتر ہے ے

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

۳۔ مطبوعہ ۹ر دسمبر ۱۹۰۳ء روز چہار شنبہ ۲۲ جلد ۱۸

مضامین ہماری شاعری۔ مولود مسعود نواب ولی عہد بہادر ریاست بھوپال۔ رمضان میں عید کی فرمائش۔ چند نتیجے۔ خبریں۔ تار اور وکل۔

ہماری شاعری میں لکھتے ہیں "جو لوگ ایشیائی شاعری پر حرف رکھتے ہیں ان کے لیے عطر فتنہ ایک نمونہ ہے اور تہدید ہے وہ اس کی شاعری کو ذرا بہ نظر غور دیکھیں اور جانچ کریں کہ اردو زبان میں کس قدر صفائی پیدا ہو گئی ہے اور خیالات کیسے صاف ہو رہے ہیں۔ نیچرل شعر کے لیے بھی عطر فتنہ کے صفحے موجود ہیں مگر کام کی باتیں ہوں اور زبان کا لحاظ رکھا جائے غیر مانوس الفاظ نہ ہوں۔ بد نما محاورے نہ صرف کئے جائیں آج کے عطر فتنہ کی غزلیں ذرا توجہ سے دیکھنے کے قابل ہیں"

۴۔ مطبوعہ ۱۸ر اپریل ۱۹۰۶ء روز چہار شنبہ نمبر ۱۶ جلد ۲۰

مضامین: برٹش فوج میں لمٹ وار۔ مدارج مساوات۔ ملکی حقوق اور سزائے قید۔ حصہ نظم میں شہزادہ ویلز کی دعا۔ "تحریک سودیشی" "ہم مال بدست آید و ہم یار ز رنجد۔" "مطلع و مقطع سرودم بریدہ" "ابلغ و اقبح طریق استمالہ" اور آخر میں وکل کا کالم۔

۵۔ مطبوعہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۶ء روز چہار شنبہ نمبر ۲۸ جلد ۲۰

مضامین۔ اصلاحی انسان۔ بہار و خزاں۔ دلالی۔ مرثیے ہیں حصہ نظم میں آئے ساقی لائے ساقی ناچے ساقی گائے ساقی" "عیدی" "عید کا دادرہ" آخر میں وکل کا کالم۔

۶۔ اس شمارے پر مطبوعہ تاریخ نہیں ہے صرف ۳۵ جلد ۱۸ پڑی ہے اس حساب سے ۸ر اکتوبر ۱۹۰۳ء نکلتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ گنتی بجائے ایک کے ۱۷ سے شروع ہے یعنی سرورق پر ۱۷ ہے اور آخری صفحے پر ۳۲ ہے۔ صرف اس شمارے کی پیشانی پر یہ شعر لکھا ہے ے

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل ہی سے خو دبھی
پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

اس پورے شمارے میں صرف غزلیں ہیں۔ شعراء میں جناب شفق عماد پوری۔ کوثر خیرآبادی۔ حکیم برہم۔ شیخ محمد اقبال صاحب اقبال۔ اختر بیر بھٹی۔ منشی غلام حسین آفتاں۔ حکیم سید ضامن علی جلالی۔ راجہ سید سعادت علی خاں سعادت ریاست پیغمبر پور شریک ہیں۔

رسالہ میں مضامین زیادہ تر فرضی ناموں سے ہیں زیادہ تر مصنف کا نام بھی نہیں ہے۔ نظم و غزل میں شعراء کے نام ضرور ہیں۔ اس مختصر رسالے میں اشتہارات بھی مل جاتے ہیں۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ ایڈیٹر کا نام رسالے میں کہیں نہیں ملتا ہے۔

معاصرین

ہندوستان میں اردو اخبارات کی تعداد تیسرے نمبر پر

نئی دہلی۔ ہندوستان میں روزانہ اخباروں کی اشاعت میں ۷ء۲۴ فیصد کا اضافہ ہوا ہے اور تمام اخبارات وجرائد کی مجموعی اشاعت گذشتہ دس سال کے عرصے کے بعد تقریباً دو گنی ہو گئی ہے۔ یہ اطلاع رجسٹرار آف نیوز پیپرز فار انڈیا کی سالانہ رپورٹ میں دی گئی ہے، جو مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات جناب کے شاہ نے پارلیمنٹ میں پیش کی۔ رپورٹ کے مطابق ۱۹۶۶ء کے آخر میں ہندوستان میں ۱۰۹۷۷ اخبارات وجرائد نکل رہے تھے۔

ہندی میں سب سے زیادہ یعنی ۱۹۳۱ انگریزی میں ۲۳۴۸ اردو میں ۱۰۸۵، بنگالی میں ۵۹۹ اور گجراتی میں ۵۱۴ اخبارات نکل رہے تھے۔

رپورٹ کے مطابق ۱۹۶۶ء کے دوران میں ۱۲۸۷ اخبارات وجرائد چھپنا شروع ہوئے اور ۵۲۵ بند ہو گئے۔ نئے اخبارات کے نکلنے اور بند ہونے کی سب سے بڑی تعداد ہندی کی تھی۔ دلی سے سب سے زیادہ اخبارات وجرائد نکل رہے تھے یعنی ۹۳۲/ بمبئی سے ۸۳۳/ کلکتہ سے ۸۵۸/ مدراس سے ۴۰۹/ حیدرآباد سے ۱۶۸/ بنگلور سے ۱۶۱/ اور احمد آباد سے ۱۵۹ اخبارات۔

روزنامے روزانہ اخبارات ۲۰ زبانوں میں اور اخبارات وجرائد ۴۹ زبانوں میں شائع ہو رہے تھے۔ روزانہ اخبارات ۱۵ خاص زبانوں کے علاوہ چینی، پرتگالی، کوکنی، لوشائی میزو اور منی پوری میں بھی شائع ہو رہے تھے۔ اسی طرح جرائد بھی ۳۱ دیگر زبانوں میں شائع ہو رہے تھے جن میں آٹھ غیر ملکی زبانیں نیپالی، پشتو اور فارسی شامل ہیں۔

۱۹۶۶ء میں تھوڑے سے وقفہ کو چھوڑ کر روزناموں کی تعداد میں سال بسال اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔ اتر پردیش سے سب سے زیادہ روزنامے ۹۲ شائع ہو رہے تھے۔ اس کے بعد مہاراشٹر (۸۳) اور مدھیہ پردیش (۶۱) کا نمبر تھا۔ سب سے زیادہ روزنامے یعنی ۱۹۷ ہندی میں شائع ہو رہے تھے۔ اس کے بعد اردو ۸۳/ انگریزی میں ۶۱/ مراٹھی میں ۴۹/ ملیالم میں ۴۲/ گجراتی میں ۴۱/ اور کنڑ میں ۳۷ روزنامے نکل رہے تھے۔

ابتدائی اندازوں کے مطابق ۱۹۶۶ء میں اخبارات کی مجموعی اشاعت ۹ر۲۱۶۹ لاکھ تھی جبکہ ۱۹۶۵ء میں مماثل اعداد و شمار ۸ر۲۱۶۸ لاکھ تھے۔ (انجلی پٹنہ)

کوکنی زبان کے لیے دیوناگری لپی ہی ضروری نہیں

کوکنی زبان کا اس کا اپنا کوئی رسم الخط نہیں ہے اہل کوکن اب تک اپنی اپنی سہولت کے مطابق عام طور پر کنڑ، ملیالم، رومن اور اردو رسم الخطوں میں کوکنی زبان لکھتے چلے آئے ہیں خاص کر دیکھنے میں آیا ہے کہ کوکنی کے لیے کنڑ لپی زیادہ تر استعمال ہوتی رہی ہے۔

جب سے گوا کی نوآبادیات کا خاتمہ ہوا ہے، اسے مہاراشٹر میں ضم کرنے کی تحریک زوروں سے چل پڑی ہے۔ کوکنی کی کئی بولیاں مراٹھی سے پھوٹی ہیں۔ شاید اسی بنا پر اس کے لیے مراٹھی لپی اپنانے کی تحریک ہو رہی ہے۔

کوکنی ہمعلین کے صدر اور کوکنی شاعر کی باب بورکر کا یہ کہنا کہ کوکنی کے لیے دیوناگری لپی اپنائی جائے کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ موصوف کے اس بیان سے یہ گمان غالب آتا ہے کہ کہیں اس میں سیاسی اغراض تو پوشیدہ نہیں ہیں۔

کوکنی والے کنڑ، ملیالم، رومن، اردو لپیوں کو کوکنی کے لیے رواج دے چکے ہیں۔ اور یہ ان کے لیے مانوس بھی ہو چکی ہیں۔ جب صورت ایسی ہو تو اس کے لیے صرف دیوناگری لپی پر ہی زور دینا کہاں کا انصاف ہے۔ وہ اپنا ذاتی رسم الخط نہیں رکھتی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس پر زبردستی کسی ایک مخصوص رسم الخط کو ٹھونسا جائے۔ معقولیت پسندی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اہل کوکن کو رسم الخط کے انتخاب میں آزاد چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ جو رسم الخط چاہیں اپنائیں۔

اگر دیوناگری لپی پر ہی زور دیا گیا اور وہ دیوناگری میں لکھی جانے لگی، تو ہمیں خدشہ ہے کہ کوکن والے مہاراشٹر میں شامل ہو جائیں کی تحریک کی کہیں یہ بنیاد نہ بن جائے۔ چنانچہ کوکنی زبان پر کسی خاص رسم الخط کی قدغن لگانے کا خیال درست نہیں ہے۔

(وشو وانی کنڑ ڈیلی ہبلی، یکم اکتوبر ۶۷ء کے اداریہ سے لیا گیا)
(ترجمہ عبدالغنی ہرتکل)

مراسلات

ترقی اردو بورڈ کے منصوبۂ لغت کی وضاحت

ہماری زبان کے یکم اکتوبر کے شمارے میں "قومی آواز" کے مضمون کا اقتباس دیکھا جو ترقی اردو بورڈ کی زیر ترتیب لغت کے بارے میں قبلہ جوش صاحب کے حوالے سے تحریر ہوا ہے۔ اس میں کچھ باتیں خلاف واقعہ ہیں۔ ان کی تصحیح اور ترقی اردو بورڈ کے منصوبۂ لغت کی وضاحت آپ کے قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگی۔

"مضمون میں لکھا ہے کہ جوش صاحب حکومت پاکستان کے ترقی اردو بورڈ کے صدر ہیں جن کی رہنمائی میں اردو لغت کی تدوین کا کام دس سال سے جاری ہے۔"

اس بورڈ کی تشکیل کاغذ پر ۱۹۵۸ء میں ہوئی تھی، مگر ابتدائی مراحل کے بعد کام پوری طرح ۱۹۶۰ء سے شروع ہوا۔ اس طرح دس سال سے بہت کم عرصے میں لغت کی ۱۲ جلدوں میں سے چار مرتب ہو چکی ہیں اور اب پانچویں جلد مرتب ہو رہی ہے باقی کے لیے بھی بیشتر مواد جمع کر لیا گیا ہے۔ کام کا پیمانہ کم و بیش وہ ہے جو آکسفورڈ کی کلاں لغت میں اختیار کیا گیا ہے، یعنی ہر لفظ کی مثال ہر دور سے مع تاریخ و حوالہ جات۔ اس نمونے کی کوئی اور لغت کسی مشرقی زبان میں نہیں ہے، اور کام کی وسعت اور مشکلات کو دیکھتے ہوئے اس کی رفتار تاریخ لغت نگاری میں ایک نیا ریکارڈ ہے۔ ان پانچ جلدوں کی ضخامت (جو حرف ڈ تک پہنچی ہیں) ہر مستند اول لغت سے زیادہ ہے۔

اس بورڈ کے صدر جناب ممتاز حسن ہیں اور گیارہ ارکان میں جناب جوش ملیح آبادی اس کے رکن ہیں۔ ان کے علاوہ لغت کی ایک مجلس ادارت ہے جس میں جناب ڈاکٹر عندلیب شادانی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، پروفیسر طاہر فاروقی، ڈاکٹر شہید اللہ اور راقم الحروف، اعزازی طور پر شامل ہیں۔ جناب نیاز فتح پوری مرحوم بھی اس مجلس کے رکن تھے۔ ہمہ وقتی عملۂ لغت میں حسب ذیل حضرات ہیں: جناب جوش ملیح آبادی، (مشیر ادبی)، جناب ڈاکٹر شوکت سبزواری (مدیر اول)، جناب نسیم امروہوی (مدیر)، جناب ذکریا مائل، خواجہ حمید الدین شاہد، خلیق نقوی، اعجاز الحق قدوسی، ڈاکٹر اعا عقیدت (نائب مدیران)، ان کے ساتھ کچھ معاونین اور کچھ انتظامی عملہ ہے ایک افسر انتظامی لائبریرین، محرر، محافظ دفتر لغت وغیرہ سب کی کل تعداد ساٹھ سے بہت کم ہے۔ بائیس تئیس آدمی ہیں۔ البتہ ہم نے اخذ اسناد کے سلسلے میں بہت سے بیرونی احباب سے مدد لی ہے۔ بعض لوگوں نے بڑے شوق سے بڑا اچھا کام کیا ہے۔ بعض نئے تجربے بھی ہوتے ہیں۔ مرتب اجزا ارکان مجلس ادارت کی نظر ثانی کے لیے بھیجے جاتے رہتے ہیں۔

مضمون میں لکھا ہے کہ "اللہ" کا لفظ ان تینوں دوروں میں ۵۰ طریقوں سے استعمال ہوا ہے۔ معلوم نہیں اس سے کیا مراد ہے، لیکن اللہ کے تحت جو محاورات اور دوسرے کلمات بطور تابعات آئے ہیں ان کی تعداد ضرور ۲۵ تک پہنچتی ہے اور ان کی سند میں کوئی چار سو مثالیں مع حوالہ جات پیش کی گئی ہیں۔ آنکھ کے محاوروں کی تعداد تین سو نہیں اس کے دو چند سے بھی زیادہ یعنی سوا سات سو ہے۔ اس لغت کی پہلی جلد سلسلہ وار بورڈ کے جریدے "اردو نامہ" میں شائع ہو رہی ہے۔ اب تک تقریباً ساڑھے چار سو صفحے شائع ہو چکے ہیں، اور ان میں الف سے آنچ تک کے الفاظ و اسناد آگئے ہیں مرتب جلدوں کی طباعت کا انتظام بھی کیا جا رہا ہے۔

بعض الفاظ کے اشتقاق (مثلاً نواسا) کی بابت جو کچھ آپ کے نقل کردہ مضمون میں کہا گیا ہے اسے شخصی رائے خیال کرنا چاہیے وہ بورڈ کی تحقیق نہیں ہے۔

(شان الحق حقی سکریٹری ترقی اردو بورڈ کراچی ۔)

ایک نہایت ضروری درخواست

میرے جد امجد علامہ سیماب اکبر آبادی پر کئی یونیورسٹیوں میں کام ہو رہا ہے، مگر ان کے ابتدائی دور کی تصانیف نہ ملنے کی وجہ سے کام کرنے والوں کو بڑی دشواری پیش آرہی ہے۔ علامہ سیماب مرحوم کی ابتدائی دور کی کتابیں ابوالعلائی پریس آگرہ، عزیزی پریس آگرہ، شمسی پریس آگرہ، صوفی پریس پنڈی بہاؤالدین (پنجاب) سے، حاجی محی الدین، تاجر کتب، بنگلور (میسور) اور دہلی کے ایک دو پبلشروں کے یہاں سے شائع ہوئی تھیں۔

میں ذیل میں ان نایاب کتابوں کے نام دے رہا ہوں، ہندوستان اور پاکستان میں جن حضرات کے پاس ان میں سے کوئی کتاب ہو وہ ازراہ کرم ہدیتاً یا عاریتاً عنایت فرمائیں۔ جن حضرات نے اہم کی بڑی لائبریریوں میں ان میں سے کوئی کتاب دیکھی ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ نقلیں حاصل کی جا سکیں۔ مندرجہ بالا مطابع اور پبلشروں کے عزیزوں کے پاس اگر کوئی نسخہ ہو تو اطلاع دیں، ہر قیمت پر یہ کتابیں لے لی جائیں گی۔

۱۔ نعت الرسولؐ	(نثر)	۲۔ معلم	نثر
۳۔ تذکرۃ الرسولؐ	"	۴۔ انمول موتی	"
۵۔ ۱۷ کہانیاں	"	۶۔ چڑا اور چندن ہار	"
۷۔ سنگھر سیلی	"	۸۔ ستر کہانیاں	"
۹۔ ذات آداب	"	۱۰۔ فریب دنیا (ڈراما)	"
۱۱۔ سوانح خواجہ غریب نواز	"	۱۲۔ سوانح زیب النساء بیگم	"
۱۳۔ زمانہ خط و کتابت	"		
۱۴۔ سردار ماں باپ کے دو سردار بیٹے	نثر		
۱۵۔ آئمۃ الہدیٰ	نثر	۱۶۔ حیات صابرؒ	نثر

۱۷۔ انوار الشلا " ۱۸۔ روشن کرکیٹر "
۱۹۔ نیا باورچی خانہ " ۲۰۔ وفا کی دیوی "
۲۱۔ صبر ایوب " ۲۲۔ غوث الاعظمؒ "
۲۳۔ چراغ چھپا کلی " ۲۴۔ چڑے چڑیا کی کہانی "
۲۵۔ مضمون نویسی " ۲۶۔ لاڈلا بیٹا "
۲۷۔ بہشت شداد " ۲۸۔ زنانہ میلاد "
۲۹۔ شکیلہ بیگم " ۳۰۔ زیور ایمان "
۳۱۔ پریشن چند (ڈراما) " ۳۲۔ داؤ پیچ یا خوبصورت بلا "
۳۳۔ ناکام تمنا " ۳۴۔ پیچ در پیچ (ڈراما) "
۳۵۔ سیرۃ الکبریٰؓ " ۳۶۔ سیرۃ الحسینؓ "
۳۰۔ حالات حالیؔ " ۳۸۔ چراغ داغ "
۳۹۔ جامع الخطب " ۴۰۔ عزیز الخطب "
۴۱۔ ریاض الانظیر " ۴۲۔ آفتاب زندگی (اصلاحی ناول) "
۴۳۔ شباب زندگی۔ (اصلاحی ناول)
۴۴۔ زنانہ لبستہ
۴۵۔ آفتاب اردو (کورس کی کتاب)
۴۶۔ ادبی موتی (پنجاب کی کتاب) (چار حصے)

(تاجدار احتشام صدیقی)

ماہنامہ شاعر، پوسٹ بکس نمبر ۴۰۴۰ بمبئی ۸۔ بی سی

مجوزہ اردو کنونشن کے بارے میں

۲۵ر اکتوبر کے شمارے میں سردار جعفری صاحب کا تردیدی مراسلہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ جعفری صاحب نے قومی آواز کی ۲۳ر ستمبر کی اشاعت میں بمبئی کے مجوزہ اردو کنونشن کی خبر کو غلط بتاتے ہوئے لکھا ہے "میں نے ان تینوں (پنڈت آنند نرائن ملا، حیات اللہ انصاری، آل احمد سرور) حضرات میں سے کسی کے رویے پر اظہار افسوس نہیں کیا" جبکہ جعفری صاحب نے اپنی یوپیا کی تقریر میں فرمایا تھا کہ "آج حیات اللہ انصاری قومی آواز کا ہر دوسرا اداریہ دہلی پنڈت آنند نرائن ملا کے خلاف لکھ رہے ہیں" آپ نے آگے کہا کہ اردو میں پنڈت آنند نرائن ملا، حیات اللہ انصاری اور آل احمد سرور یہ تین آوازیں بہت اہم ہیں اور تینوں آوازوں کے اختلافات کو آپ نے اردو کے حق میں تشویش ناک بتایا تھا۔ آخر میں آپ نے ایک متحدہ پروگرام کی تجویز رکھی تھی۔ یوپیا کے صدر سید محمد زیدی صاحب نے اس تجویز کی تائید کرتے ہوئے یوپیا کی طرف سے پندرہ ہزار روپے کے عطیہ کا اعلان کیا اور سردار جعفری، ظ۔ انصاری، اختر الایمان کرشن چندر اور اعجاز صدیقی صاحب سے بمبئی میں ایک اردو کنونشن طلب کرنے کی درخواست کی اور مذکورہ پانچوں حضرات کو یوپیا کا اعزازی ممبر بنایا۔ اعلان کے اختتام پر سردار جعفری صاحب نے بڑی گرم جوشی سے وعدہ کیا کہ ہم یہ کنونشن بہت جلد طلب کریں گے اور کوشش کریں گے کہ اس میں آنند نرائن ملا، حیات اللہ انصاری اور آل احمد سرور تینوں حضرات شریک ہوں گے۔

اس اشاعت میں آپ کا اداریہ دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ پنڈت آنند نرائن ملا، حیات اللہ انصاری، اور آل احمد سرور کے نقطۂ نظر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس قسم کے تردیدی اور متضاد بیانات پڑھکر اردو کے ایک عام قاری کے ذہن میں کئی سوالات گونجنے لگتے ہیں۔

۱۔ جب کسی کے نقطۂ نظر میں کوئی اختلاف نہیں تو پھر اتنا بڑا کنونشن طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟
۲۔ اور اگر اختلاف ہے تو پھر یہ حضرات عام لوگوں کے سامنے اپنا موقف واضح کیوں نہیں کرتے؟
۳۔ کیا اس قسم کے متضاد اور غیر واضح بیانات پڑھکر ایک عام اردو قاری کا ذہن CONFUSED نہیں ہوگا؟
۴۔ اگر اردو کے رہنماؤں میں جزوی ذہنی ہی سہی اختلاف ہے تو وہ مل بیٹھ کر جلد از جلد ان اختلافات کو دور کیوں نہیں کرتے؟ اور ایک آواز وایک قدم ہو کر اردو تحریک کو آگے کیوں نہیں بڑھاتے؟
۵۔ اگر یہ اختلافات اسی طرح زور پکڑتے رہے تو "اردو کشی" کے جرم میں آئندہ نسل کس کا دامن پکڑے گی؟

یہ چند سوالات ہیں جو اردو کا ایک عام قاری اردو کے ہر رہنما سے پوچھنے کا حق رکھتا ہے۔ (سلام بن رزاق)

ایک قدیم دکھنی نظم

مجھے ایک قدیم دکھنی نظم دستیاب ہوئی ہے۔ اس کو علمی حلقوں سے متعارف کرانا ہے جس کے لیے بعض امور کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ اگر "ہماری زبان" کے قارئین کرام اس سلسلے میں کوئی تعاون فرمائیں تو بے حد ممنون ہوں گا۔

۱۔ ایک جگہ "احمد نگر" کا ذکر آتا ہے۔ یہ شہر کس صوبے اور ضلع میں واقع ہے؟
۲۔ دکھن کا اطلاق کن علاقوں پر ہوتا ہے؟
۳۔ پنجاب اور دکھن کے تعلقات کب سے قائم ہوئے؟

مندرجہ بالا امور کے جوابات "ہماری زبان" کی وساطت سے یا براہ راست ذیل کے پتے پر ارسال کیے جا سکتے ہیں:

(محمد عظیم صدیقی)
۱۰۲ ای بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور

"ہماری زبان"
کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ ملحوظ رہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔
ادارہ

اردو کے بارے میں پارلیمنٹ کے ممبروں کی طرف سے وزیر اعظم کو یادداشت!

نئی دہلی۔ گذشتہ دنوں پارلیمنٹ کے ۱۰۴ اراکین کے دستخطوں کے ساتھ قومی یک جہتی کونسل کی جانب سے سندر دیے گئے۔ پنڈت کرشن بشیر حسین زیدی، ڈاکٹر گوپال سنگھ، حیات اللہ انصاری ایم پی، این سپرو اور اکبر علی خاں صاحبان نے درج ذیل یادداشت وزیر اعظم ہند شریمتی اندرا گاندھی کی خدمت میں پیش کی جس میں کہا گیا کہ:

ہمارے خیال سے یہ انتہائی افسوسناک ہے کہ یو۔پی میں جو اردو کا گہوارہ ہے اس میں ایک بھی تعلیمی ادارہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں ذریعۂ تعلیم اردو زبان ہو اور بھی ادارے جو ایسے اسکول چلاتے ہیں ان کو تسلیم نہ کیا جائے۔ لسانی اقلیتی رپورٹ ۱۹۶۴ء کے مطابق "جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے دستور کی دفعہ ۳۵۰ جس کی رو سے ابتدائی درجوں میں تعلیم بچوں کی مادری زبان میں ہونا چاہیے۔ اس پر عمل درآمد کرنے میں یو۔پی حکومت نے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی ہے۔ مثال کے طور پر ۶۲-۱۹۶۱ء میں پرائمری درجوں میں اردو کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی تعداد یو۔پی میں ایک لاکھ ۲۱ ہزار پانچ سو ستر تھی جب کہ بہار جہاں اردو جاننے والوں کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ ایسے طلبہ کی تعداد زمانہ مذکورہ میں دو لاکھ تیرہ ہزار نو سو چھپن تھی۔ ۶۴-۱۹۶۳ء میں حالات بالکل بدستور رہے۔ سہ لسانی فارمولے کے تحت انگریزی، ہندی اور سنسکرت پڑھائی جاتی ہے نہ کہ اردو۔ ہم مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ اس فارمولے پر عمل درآمد کرانے کی نیت میں بیرونی سامراج ہرگز کارفرما نہ تھی۔

اردو کو کم از کم یو۔پی، بہار، راجستھان، دہلی، مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش میں دوسری سرکاری زبان کے طور پر رائج ہونا چاہیے اور صدر جمہوریہ ہند کو کم از کم متذکرہ بالا ریاستوں کو اس سلسلہ میں ہدایت نامہ جاری کرنا چاہیے ورنہ کاغذ پر جو وعدے کیے گئے ہیں۔ ان پر عمل درآمد محض خیالی ہو کر رہ جائے گا۔ بالفاظ دیگر وہ وعدے عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے ناتینج ہو جائیں گے بدنصیبی سے ہمارا تجربہ متذکرہ الذکر کی شکل میں ہے۔ ہماری انتہائی نیک خواہش ہے کہ جناب عالیہ جو کہ ماحول کے خطرناک اور پر فریب عضرات سے بخوبی واقف ہیں۔ اس معاملہ پر خصوصی توجہ دے کر تلافی مافات کریں گی۔ (سیاست)

بہار میں اردو کو ۳۳ نکاتی پروگرام سے نکالنے کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا!

پٹنہ۔ پٹنہ کے اخبارات میں ہندوستان سماچار خبر رساں ایجنسی کے حوالہ سے بہار ہندی ساہتیہ سمیلن کے سکریٹری شنکر دیال سنگھ کا ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے کہا کہ وزیر اعلیٰ بہار پنڈت مہامایا پرشاد سنہا نے نائب وزیر اعلیٰ کرپوری ٹھاکر نے اور وزیر داخلہ رامانند تیواری کی موجودگی میں سمیلن کے ایک وفد کو یقین دلایا کہ وہ اردو کو متحدہ محاذ کے ۳۳ نکاتی بنیادی پروگرام سے نکال دیں گے۔ نائب وزیر اعلیٰ کرپوری ٹھاکر سے جب اس سلسلہ میں وضاحت طلب کی گئی تو انھوں نے اس بات سے انکار کیا کہ اردو کو نکالنے کے لیے ہم نے ہندی سمیلن سے کوئی وعدہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں اور رامانند تیواری سمیلن کے وفد کی وزیر اعلیٰ سے ملاقات کے وقت موجود تھے۔ وفد سے یہ بات کہی گئی کہ ہم تنہا اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ متحدہ محاذ حکومت میں ۹ پارٹیاں شریک ہیں جب تک چار دیگر پارٹیاں اردو کو نکالنے کا فیصلہ رابطہ کمیٹی میں نہ کریں۔ اس وقت اردو کو پروگرام سے نکالنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کرپوری ٹھاکر نے بتایا کہ اردو کو ۳۳ نکات سے جدا کرنے کا سوال آج تک محاذ یا رابطہ کمیٹی کے سامنے زیر غور نہیں آیا۔

انجمن ترقی اردو یو۔پی کی اپیل

لکھنؤ۔ انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی تعلیمی کمیٹی کا جلسہ پروفیسر ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کی صدارت میں انجمن یو۔پی تعلیمی جائزہ کے سلسلہ میں پروگرام طے کیا گیا اور تمام طلبہ اور ان کے سرپرستوں سے نیز ہمدردان اردو سے اپیل کی گئی کہ اگر ان کو اردو پڑھنے اور پڑھوانے میں دشواریاں ہو رہی ہوں اور انھوں نے ذمہ داران تعلیم کو اردو پڑھنے کے لیے درخواستیں دی ہوں اور اس کے باوجود ان کو اردو نہیں پڑھائی جا رہی ہے تو وہ براہ کرم جلد سے جلد مندرجہ ذیل پتہ پر اپنی شکایتیں اور درخواستوں کی نقول جو انھوں نے پرنسپل، ہیڈ ماسٹر یا کسی اور ذمہ دار تعلیم کے پاس بھیجی ہوں روانہ فرما دیں تاکہ ان کے سلسلے میں موثر اقدام اٹھایا جا سکے۔ پتہ: ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو لکھنؤ اردو گھر ۱۰۲ تھانی باغ لکھنؤ۔ (قومی آواز)

انجمن ترقی اردو بھاگل پور کا جدید انتخاب

بھاگل پور۔ مدنی مسافر خانہ تاتار پور کے ہال میں انجمن ترقی اردو بھاگل پور کا انتخابی جلسہ زیر صدارت جناب حکیم عبدالباقی صاحب حکیم شفاخانہ پیغام حیات منعقد ہوا۔ مولانا شاہ شرف عالم ندوی صاحب جنرل سکریٹری انجمن ہذا نے کارگزاری پیش کی۔ گذشتہ کارروائی کی تصدیق کے بعد شہید اردو جناب پانڈے کو اردو کے لیے ان کی قربانی و ایثار پر خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اس کے بعد کونسل کے ۲۶ اراکان کا باتفاق انتخاب عمل میں آیا اور حسب ذیل حضرات انجمن ترقی اردو بھاگلپور کے عہدیداران منتخب ہوئے نیز پانچ حضرات ریاستی انجمن کے نمائندگان چنے گئے۔

(عہدہ داران وارکان عاملہ شاخ بھاگلپور)

عالیجناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب	صدر
جناب ڈاکٹر محمد غیاث دقر صاحب	نائب صدر
" ذوبیر لشیر سہائے ایڈوکیٹ	"
" سردار رضایت اللہ انصاری	"
" مولانا شاہ شرف عالم ندوی	جنرل سکریٹری

جناب مولانا قمر غناجی — جوائنٹ سکریٹری
" محمد شبیر احمد صابری — اسسٹنٹ سکریٹری
" حکیم عبدالباقی حکیم — "
" کریم اسعدی — خازن
" مولانا غلام حسین رکن ۔ جناب منظور خاں ایڈوکیٹ رکن
" مولانا رضا احمد انصاری رکن ۔ " پروفیسر لطف الرحمٰن رکن
" عبدالرزاق شبنم رکن ۔ " ماسٹر حنیف انصاری رکن

ریاستی انجمن کے نمائندگان:

ڈاکٹر محمد یونس ایسٹ کرتوالی ۔ ڈاکٹر غیاث اختر تاتارپور ۔ مولانا شاہ شرف عالم ندوی خلیفہ ۔ مولانا قمر غناجی ناتھنگر ۔ جناب حسن امام حسین آباد۔

(محمد شبیر احمد صابری سکریٹری انجمن ترقی اردو بھاگل پور)

اردو کا مطالبہ اپنی جگہ ثابت اور مستحکم ہے حالات کی سختیاں مزید عزم و ایثار کی طالب

گیا۔ مدرسہ انوار العلوم گیا میں اعلان کے مطابق بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی شاخ ضلع گیا کا انتخابی اجلاس پروفیسر عبدالمغنی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس موقعے پر شرکت کے لیے پورے ضلع سے مقامی شاخوں کے منتخب کیے ہوئے ضلعی نمائندے کافی بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ جلسے کی کارروائی بہت ہی دلچسپی اور گرم جوشی کے ساتھ جاری رہی حاضرین نے کافی جوش و خروش کا اظہار کیا۔ سب سے پہلے شرکائے جلسہ کی ضیافت ناشتے چائے سے کی گئی۔ اس کے بعد انتخاب کے لیے ریاست کی جانب سے مقرر کیے ہوئے ریٹرننگ افسر اور صدر جلسہ جناب پروفیسر عبدالمغنی نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی مطالبہ خواہ وہ کتنا ہی برحق ہو آسانی اور عافیت کے ساتھ حاصل نہیں ہو جاتا بلکہ تاریخ کا سبق یہی ہے کہ اس کے حصول کے لیے نظم و ضبط اور ایثار و قربانی کے پیچ در پیچ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جب تک قدرت حق مانگنے والے کی صلاحیت کو اچھی طرح آزما نہیں لیتی اسے کامیابی سے ہمکنار نہیں کرتی لیکن تاریخ کا فیصلہ یہ بھی ہے کہ اگر صلاحیت و جرأت اور تنظیم و بصیرت ہو تو حق بہر حال حالات کی تمام سختیوں کے باوجود حاصل ہو کر رہتا ہے اردو کا مطالبہ بھی اسی طرح کا ایک حق ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جب تک اردو والے اپنے حوصلہ و شعور اور جذبۂ عمل کا پورا پورا ثبوت نہیں دے دیتے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

موصوف نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے محبان اردو کو تلقین کی کہ وہ موجودہ مشکلات و مصائب سے ہرگز بددل نہ ہوں بلکہ ان کو اپنے عزم و تدبر کے لیے ایک چیلنج سمجھیں اردو کا مطالبہ آئینی و جمہوری اور ہر اعتبار سے برحق ہے لہٰذا آج نہیں تو کل یہ مطالبہ ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا۔ شرط صرف یہ ہے کہ اہل اردو اپنی سرگرمیوں کو نہ صرف جاری رکھیں بلکہ تیز تر کر دیں۔ اس مقصد کے لیے انھیں سمجھ لینا چاہیے کہ اب تک جو کچھ مصیبتیں ان پر نازل ہوئی ہیں وہ صرف آزمائشوں کے پہلے مرحلے کی نشان دہی کرتی ہیں اور ابھی مزید مرحلوں سے گزرنا ہے لہٰذا اردو والوں کو زیادہ سے زیادہ ایثار و قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

جناب مشتاق علی خاں ایم۔ ایل۔ اے اور جناب عزیز احمد منیری ایم۔ اے متفقہ طور پر علی الترتیب صدر اور جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ ان کے علاوہ نائبین صدر، اسسٹنٹ سکریٹری، خازن، اراکین مجلس عاملہ اور نمائندگان ریاستی کاؤنسل کا انتخاب عمل میں آیا۔

انتخاب کے بعد ایک تجویز کے ذریعہ شہید۔ اردو جناب پانڈے رگھونیور کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ آخر میں شکریہ پر جلسہ برخاست ہوا۔ (الجمعیۃ)

رابطہ کی زبان کے طور پر ہندی کو قبول نہیں کیا جا سکتا

کیرالا کے وزیر تعلیم جناب سی۔ ایچ محمد کویا نے کہا کہ ہندی کو ابھی رابطہ کی زبان کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے کہا کہ ہندی کے پورے طور پر بالغ ہونے تک انگریزی کو عرصہ دراز تک رابطہ کی زبان کے طور پر باقی رکھا جانا چاہیے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ دوسری زبانوں کو بھی ترقی یافتہ بنایا جانا چاہیے۔

جناب کویا نے جو یہاں اخباری نمائندوں سے بات چیت کر رہے تھے کہا کہ حکومت ملیالم زبان کو یونیورسٹی کی سطح پر ذریعہ تعلیم کے طور پر قبول کر رہی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انگریزی کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ انگریزی کی اہمیت زبان کے طور پر ہمیشہ رہے گی۔ یہ دریافت کیے جانے پر کہ کیا برسر اقتدار ریاستی متحدہ محاذ کے مشترکہ پروگرام پر عمل درآمد ہونے کی راہ میں آئین حائل ہے جیسا کہ بعض مارکسی لیڈر کہہ رہے ہیں، وزیر تعلیم نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ ایسی بات نہیں ہے اس کے باوجود مشترکہ پروگرام کی کسی خاص شق کو نافذ کرنے میں آئین کی وجہ سے اگر کوئی دشواری ہو تو آئین میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔ آئین میں حسب ضرورت ترمیم کیے جانے کا مطالبہ کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔

جن سنگھ اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دینے میں حائل ہے

دیوبند:- یہاں اسرار احمد صاحب نے مختلف محاذ کے سرکردہ حضرات سے ملاقات اور دیوبند کی عوام کی مشکلات کو غور سے سنا آپ نے میونسپل بورڈ دیوبند کے احاطہ میں تقریر کرتے ہوئے نئی حکومت کی مشکلات بتاتے ہوئے کہا کہ آج بھی اردو کے لیے جدوجہد میں لگا ہوا ہوں مگر اتر پردیش میں صرف جن سنگھ ہی وہ واحد جماعت ہے جس نے اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دینے میں رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔

انجمن ترقی اردو جھریا کی ماہانہ نشست

مورخہ یکم نومبر کو جھریا شاخ انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام بزم ادبا کی ماہانہ نشست زیر صدارت جناب قمر تخدومی صاحب مدیر اعزازی "اپنی دھرتی" منعقد ہوئی جس میں مقامی شعراء کے علاوہ بیرونی شعراء کرام نے شرکت فرمائی۔ اس نشست میں ادباء و شعراء کرام کے علاوہ دیگر باذوق حضرات نے بھی حصہ لیا۔

طرحی غزلوں کے بعد جناب شان بھارتی نے مقرر کردہ عنوان پر اپنی نظم پیش کی۔ غیر طرحی دور میں جناب آمر صدیقی کی نظم مسیحا کے بعد جناب مسرور رنگیلوی صاحب نے اپنی غزل پیش کی۔ اس کے بعد جناب وقار عسکری نے "شان و شاعر" کے عنوان سے اپنی تازہ جدید نظم سنائی۔ اور اسلام صاحب اور بھارتی صاحب نے غیر طرحی غزلیں پیش کیں۔

نثری دور میں جناب آمر صدیقی نے "جدید شاعری" کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا اور فردوسی بی۔ اے نے اخلاق محمدی پر اپنا مضمون پیش کیا مولانا محمد قاسم الہندوی صاحب، مولانا شمس الدین صاحب اور شاہ کمال احمد عثمانی صاحب نے اخلاق محمدی پر تقریریں کیں۔

(وقار عسکری جھریا)

ناگپور یونیورسٹی کا اردو سے ناروا سلوک

ناگپور۔ سال گذشتہ ناگپور یونیورسٹی کی اکاڈمک کونسل نے اردو و دیگر ہندوستانی زبانوں کو ماسوا ہندی اور مراٹھی کے اختیاری زبان کی فہرست سے خارج کر دیا تھا اس اخراج کے مسئلہ کو لے کر سارے ودربھ میں زبردست احتجاج کیا گیا تھا اور انجمن ترقی اردو (ہند) ودربھ نے کامٹی شاخ کے اراکین کی سرکردگی میں ۱۹ر اگست ۶۷ء کو سارے ودربھ میں "یوم اردو" اور پھر "اردو ہفتہ" کا اہتمام کر کے ارباب اقتدار کی توجہ مبذول کرائی تھی اس وقت اس مسئلہ کو دوبارہ یونیورسٹی کی اکاڈمک کونسل میں غور و خوض کے لیے بھیج دیا تھا۔

اب یونیورسٹی جس ترمیم پر غور کر رہی ہے وہ اردو پر ایک اور زیادہ خطرناک حملہ ہے یونیورسٹی نے انگریزی کو اختیاری زبان کی فہرست میں شامل کر کے اردو و دیگر اقلیتی زبانوں کو فریب دینے کی کوشش کی ہے۔ اس ترمیم کے الفاظ کچھ اس طرح کے ہیں کہ ہندی مراٹھی یا سلیبس (بلا) انگریزی کو دوسری زبان کی حیثیت سے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ تمام اقلیتی زبانوں اور خصوصاً اردو دانوں کے لیے پریشانی کا سبب ہے۔ تمام اردو داں حضرات کو یونیورسٹی کی اس اقدام کے خلاف متحد ہو کر احتجاج کرنا ہے اور ناگپور یونیورسٹی سے اپنا مطالبہ منوانا ہوگا۔

(انجمن)

ادارۂ مصنفین نو حیدرآباد کے زیر اہتمام اردو اور ہندی کا ملا جلا ادبی جلسہ

حیدرآباد۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ کی صدارت میں اردو اور ہندی کا ایک ملا جلا ادبی جلسہ میونسپل ریڈنگ روم افضل پورہ حیدرآباد میں منعقد کیا گیا جس کا اہتمام ادارہ مصنفین نو نے کیا تھا۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا کہ ادب کو ہمیشہ ریشم کے کیڑے کی طرح اپنے خول میں بند نہ رہنا چاہئے۔ جب کوئی نئی آواز ادب میں ابھرے تو اسے سنجیدگی سے سننا اور سمجھنا چاہئے۔ روایات ٹوٹنے لگتی ہیں تو ہمیں شروع میں دکھ سی محسوس ہوتی ہے لیکن رفتہ رفتہ ہم نئی چیزوں کے عادی ہو جاتے ہیں اور ہماری ذہنی تربیت بھی ہونے لگتی ہے۔ شاعری مصوری سے کہیں زیادہ سماجی عمل ہے اسے محض میوزیم کی چیز نہ ہونا چاہئے کسی تحریک کی اہمیت بنانے کے لیے کسی دوسری تحریک کو نشانہ بنانا درست نہیں۔ آدمی اپنی جگہ فرد بھی ہے اور سماج بھی نرے فرد کی شاعری صرف تجرباتی حیثیت رکھتی ہے اور نرے سماج کی شاعری خطابت کی۔ دونوں کے توازن سے ہی اچھا ادب پیدا ہو سکتا ہے ہر نئی تحریک یا رجحان میں کچھ نقالچی یا متشاعر پیدا ہوتے ہیں جس سے وہ تحریک بدنام ہو جاتی ہے ہمیں اس میں امتیاز کرنے کی ضرورت ہے۔ اس محفل میں ہندی ادیب دیو گوپال نے اپنے مضمون "ہندی ساہتیہ اور بدلتا پریویش" میں ہندی ادب کے مختلف رجحانات اور مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا کہ کوئی بھی ادیب اور مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ دنیا میں ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو پریم کرتے ہیں۔ ادیب بس اتنا ہی کر سکتا ہے کہ پریم کو ایک ذاتی ٹچ دے کر اپنا بنا لے۔ اکسپریشن کے صحیح زاویے کی تلاش، ادیب کا اپنا اپنا اندرونی تضاد ہے جہاں وہ اکیلا رہ جاتا ہے جیتتا اور ہارتا ہے۔ احمد جیش نے عاطل سفوری کے فکر و فن پر اپنے تنقیدی مضمون "جب میرے نام کے لفظ تنہا تھے لوگو" میں اس بات کا تجزیہ کیا کہ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء تک تنقیدی فیصلہ کی سمت، جانب داری کے رویہ کے سوا کچھ نہیں مگر از کم متضاد رویوں کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی تو کسی قدر تنقید کا معیار متعین ہو جاتا۔ بنگال کی بھوکی پیڑھی کے نمائندے یہ شور کرتے ہیں کہ کلکتہ کی سڑکیں انھیں آزادانہ بیہودگیوں کی اجازت نہیں دیتیں لیکن اردو کا نیا شاعر اپنے زمانے کی کسی بھی اشتہاری تحریک سے متاثر نہیں۔ انور رشید نے شروع میں ہندی ادیب کا تعارف کرایا۔ آخر میں ایک مختصر محفل شعر ہوئی جس میں حکیم یوسف حسین خاں، تاج مہجور، مغنی تبسم، احمد جیش، دیو گوپال سرلیش شرما، پارس ناتھ پارس اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے اپنا کلام پیش کیا۔

میونسپل کونسلر خواجہ ابو سعید نے ادارے کی جانب سے مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا

(مسعود عابد سکریٹری نشر و اشاعت)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، ہیڈ ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپایا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا۔